سورۂ فاتحہ کے بعض اہم مباحث

از

(جناب مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی)

(۲)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دقیق فلسفیانہ انداز میں فرماتے ہیں :-

(۱) مدح جاندار اور غیر جاندار سب کی تعریف کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً بہترین موتی کی مدح کی جاتی ہے لیکن حمد نہیں کی جاتی۔

(۲) مدح احسان سے قبل و بعد ہر دو موقعہ پر استعمال ہوتا ہے مگر حمد کا استعمال احسان کے بعد ہی ہوتا ہے۔

(۳) کبھی مدح کو ممنوع بھی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ احثوا التراب فی وجوہ المداحین (تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈال دو) لیکن حمد کی تعریف بیان ہوئی ہے آپ نے فرمایا من لم یحمد الناس لم یحمد اللہ (جس نے لوگوں کی تعریف نہ کی اس نے خدا کی بھی تعریف نہیں کی)

(۴) مدح مختلف انواعِ فضائل میں سے ایک نوع کی ہر فضیلت پر دلالت کرتا ہے لیکن حمد ایک متعین فضیلت انعام و احسان کے ساتھ مخصوص ہے۔

شکر اور حمد کا فرق امام صاحب یوں واضح فرماتے ہیں کہ حمد ہر اس احسان و انعام کو شامل ہے جو حامد یا اس کے علاوہ کسی اور پر بھی ہوتا ہے لیکن شکر صرف اس احسان کے ساتھ مخصوص ہے جو شاکر ہی پر ہوا ہے۔

علماء محققین کے افکار کے ساتھ ساتھ ہماری معروضات پر بھی غور فرمائیے!

یہ ظاہر ہے کہ مدح کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا اور قدیم کلام عرب میں بھی یہ لفظ

نہ ہونے کے برابر ہے، مدح کا لفظ اس وقت سے شائع ہوا ہے جب عربی شاعری اہلِ عجم کے آغوشِ تربیت میں آئی اور جب عجمی تکلفات اس میں داخل ہوئے اور قصیدہ گوئی کا چرچا ہوا، ــــــــ اس کے علاوہ مدح کا لفظ خدا کے لئے کہیں استعمال نہیں ہوتا قرآن تو درکنار شعراء بھی خدا کے لئے حمد ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، حماسہ میں باب المراثی کا پہلا شعر ہے:-

حمدت الٰھی بعد عروۃ اذنجا   خراش وبعض الشر اھون من بعض

اسی طرح شکر بھی بندوں اور خدا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر حمد کا استعمال خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

اب اس تشریح کی روشنی میں حمد کا مفہوم کسی قدر وضاحت کے ساتھ سمجھنا چاہیئے۔ حمد میں تعریف اور شکر دونوں کا پہلو نمایاں ہے بلکہ شکر کے معنی غالب ہیں اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان اپنے کو نعمتوں اور آسائشوں میں گھرا ہوا پاتا ہے، بے شمار احسانات، انعامات کرم فرمائیاں اور ذرہ نوازیاں دیکھتا ہے تو اس کا دل شکر و سپاس سے معمور ہو جاتا ہے اور بے اختیار اس کی زبان سے یہی دلآویز نغمہ نکل پڑتا ہے۔ اس لئے یہ جملہ جو بظاہر خبریہ ہے فی الواقع انشائیہ ہے یعنی خدا بندے کو دعوت دے رہا ہے کہ اس کے شکر و سپاس میں لگ جاؤ کیوں کہ اس نے تم پر بے شمار انعامات کئے ہیں اور در اصل یہ حسین و جمیل کائنات اور اس کا دلکش اور محکم نظام تمہیں حمد باری کی دعوت دے رہا ہے اور خود پوری کائنات قدرتِ خداوندی کے گوناگوں مظاہر اور اس کے بے پایاں احسانات کے صلہ میں حمد و ستائش کے نغمے الاپ رہی ہے۔

قرآن مجید میں "حمد" کا موقعہ استعمال تلاش کر کے دیکھا جائے تو یہی باتیں معلوم ہوں گی مثلاً سورۂ زمر میں فرمایا :-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ	اور متقی بول اٹھے کہ سارا شکر صرف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کیا اور ہمیں جنت کا وارث بنایا کہ ہم جہاں چاہتے ہیں اس میں ٹھکانا بناتے ہیں

دیکھئے! یہاں مجرمین کے جہنم میں اور محسنین کے جنّت میں داخل ہونے کا ذکر ہو رہا تھا اور جہنم و جنت کے پہرہ دار ہر ایک سے سوالات کر رہے تھے کہ یک بیک اہلِ جنت وجد میں آکر یہ پُر کیف نغمہ اور دلآویز ترانہ گنگنانے لگتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ اہلِ نار کو عذابِ الیم میں دیکھ رہے ہیں اور اپنے کو اس سے بالکل محفوظ و مصئون پا رہے ہیں اور صرف محفوظ و مصئون ہی نہیں بلکہ ہر طرح کی نوازش، عنایت اور مہربانی میں گھرا ہوا پاتے ہیں اس لئے انتہائی بے قابو ہو کر، احسان مندی کے جذبات سے مجبور ہو کر اور پوری طرح بے خود اور بے اختیار ہو کر بول اُٹھتے ہیں کہ الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں بھی "حمد" اپنے اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور الف لام داخل کر کے گویا یہ بتانا ہے کہ سارا شکر و سپاس اور ساری حقیقی تعریف صرف اللہ کے لئے ہے یعنی جتنا شکر اور جتنی تعریف ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ کیوں کہ سارا کارخانۂ عالم اسی کی کرشمہ سازی ہے اور ساری کائنات اسی کی حمد و ستائش میں نغمہ ریز ہے اس لئے انسان کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی پکار اُٹھے کہ سارا شکر اور حقیقی تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حمد ہی شکر کی اصل ہے اور دونوں میں نہایت لطیف فرق ہے اور حمد و شکر ہی ایمان کا اصلی اور اولین تاثر ہیں۔ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے

الحمد رأس الشکر ما شکر اللہ عبد لم یحمدہ	حمد شکر کی اصل ہے بغیر حمد کے کوئی بندہ اللہ کا شکر گذار نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن جریرؒ نے بھی ٹھیک اسی طرح کی تقریر "حمد" کے سلسلے میں فرمائی ہے اور اس کی تائید میں سلف سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں۔

منعم علیہم کون ہیں؟ | یہ خدا کے محبوب بندے جن کا ستائش و توصیف کے ساتھ ذکر ہو رہا ہے دراصل خدا کے فضل و کرم سے اس مرتبۂ بلند پر فائز ہوئے ہیں ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ظاہر ہے کہ خدا کے جتنے محبوب اور مقرب بندے ہیں سبھی منعم علیہم کی فہرست میں شامل ہیں اور خدا کے محبوب بندے درحقیقت وہی ہیں جو خدا کی اطاعت و بندگی کی راہ میں اپنے کو بالکل لگا دیتے ہیں اور جو خدا کی بتائی ہوئی ہدایت پر چلتے ہیں اور جن کی ساری توجہ کا مرکز رضائے الٰہی کا حصول اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنا ہے اور جو اس آیت کی حقیقی تصویر ہیں:-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	کہہ دو کہ میری نماز، قربانی، زندگی اور موت صرف پروردگار عالم کے لئے ہے۔

یہ وہی ہیں جنہوں نے جنت کے بدلے اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	بے شک اللہ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو ان سے اس لئے خرید لیا ہے تاکہ اُن کے لئے جنت ہوگی۔

ایسے ہی لوگوں کو خدا نے یہ سرٹیفکیٹ دیا ہے کہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ	اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے

یہ دنیا میں عقبیٰ کی فکر سے کبھی غافل نہیں ہوتے، معاملاتِ زندگی کی انجام دہی، کاروباری مشاغل زراعت، تجارت غرضیکہ کوئی چیز بھی انھیں یادِ الٰہی سے بے نیاز نہیں کرتی:-

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ	ایسے لوگ جنہیں بیع و شراء اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اسی لئے اس فہرست میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو شامل کیا گیا ہے کیوں کہ یہی لوگ حقیقت میں خدا کے انعام کئے ہوئے بندے ہیں اس لئے کہ ان کے بارہ میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خدا کے انعام، محبوبیت و تقرب سے محروم ہوں چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا:-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ	جنھوں نے اللہ و رسول کی اطاعت کی وہی ان

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور یہی بہترین رفیق ہیں۔

یہ مراتب چہارگانہ (نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت) باہمد گر متفاوت ہیں اور یہ ایک نہایت دقیق علمی بحث ہے جس کی تفصیل میں پڑنے کا یہ محل نہیں۔

مغضوب علیہم اور ضالین کی تعیین خدا کے محبوب اور منعم علیہم بندوں کے مقابلہ میں یا اس کے مبغوض اور دھتکارے ہوئے بندے ہیں اور جو خدا کی اطاعت و فرمانبرداری سے گریز کرتے رہے ہیں، مغضوب علیہم وہ ہیں جو خدا کے حکموں میں تبدیلی و تحریف کی جسارت کرتے رہے ہیں اور حق کو سمجھ بوجھ کر بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔ اور یہ صفت یہود کی زندگی میں بہت نمایاں طور پر جھلک رہی ہے اس لئے اس سے مراد بھی اصل میں وہی ہیں جیسا کہ عدی ابن حاتم وغیرہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

ضال گم کردہ راہ کو کہتے ہیں یعنی انسان اپنے اوپر خود بہت سی ایسی پابندیاں عائد کرے جس کے نتیجہ میں دین و شریعت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور وہ باطل کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگے پس ضال وہ ہے جو اپنے غلو سے باطل پر جم جائے اور باطل پرستی ہی کو دین داری سمجھنے لگے اور چونکہ نصاریٰ کے اندر یہ وصف بہت نمایاں تھا اس لئے قرآن کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ انھیں پر ہوگا جیسا کہ حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ نیز قرآن کی تصریحات و کنایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود تفریط میں اور نصاریٰ افراط کی بھول بھلیوں میں پڑ گئے تھے۔ اس لئے مغضوبیت اور ضلال کی صفت سب سے زیادہ انھیں پر چسپاں ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود مغضوب علیہم اور نصاریٰ ضالین تھے۔

لیکن بایں ہمہ یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ ضالین صرف نصاریٰ اور مغضوب علیہم صرف یہود ہی ہو سکتے ہیں خواہ کوئی انھیں کی روش پر کیوں نہ گامزن ہو جائے یقیناً یہ نہایت صریح دھوکہ ہے اور اس دھوکہ نے امت کے بہت سے افراد کو "عمل صالح" سے بے نیاز کر کے انتہائی خطرناک حد تک پہنچا دیا ہے ——— اس لئے ہم پوری جرأت کے ساتھ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ جو بھی خدا کی ہدایت سے بے پرواہ ہو کر یہود و نصاریٰ کی روش اختیار کرے گا، خدا کے غضب اور نافرمانی کے کام کرے گا وہ بھی یقیناً مغضوب اور ضال ہے۔ باقی یہود و نصاریٰ کو جو ضال اور مغضوب کہا گیا ہے تو محض اس لئے کہ ان پر سب سے زیادہ یہ وصف چسپاں ہو رہا تھا ورنہ مشرکین کے ضال و مغضوب ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

"غیر" کا اعراب | تمام قراء "غیر" کے مجرور ہونے پر متفق ہیں البتہ اس کے مجرور ہونے کے دو اسباب لوگوں نے بیان فرمائے ہیں

(۱) "غیر" "صراط الذین انعمت علیہم" میں "الذین" کا وصف ہے اس لئے مجرور ہے مفہوم یہ ہوگا کہ "پروردگار! ہمیں اپنے انعام کئے ہوئے بندوں کی راہ کی توفیق دیجیو جو غضب کئے ہوئے اور گمراہ نہیں ہیں۔

(۲) دوسرے گروہ کے نزدیک "غیر" الذین سے بدل ہے اسی لئے مجرور ہے اور اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ بار الہا! ہمیں اپنے منعم علیہم بندوں کی راہ کی ہدایت دے نہ کہ ان لوگوں کی راہ کی جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں۔

ہمارے نزدیک دوسرا ہی قول انسب معلوم ہوتا ہے۔ باقی پہلا قول نحوی حیثیت سے نہایت سخیف ہے نیز عربی زبان کے استعمالات کے سراسر خلاف بھی معلوم ہوتا ہے اور دوسرا قول عربی زبان کے استعمالات کے عین مطابق ہے ایک شاعر کہتا ہے ؎

إِنَّمَا يَجْزِي الْفَتَى غَيْرُ الْجَمَلْ — نوجوان بدلہ دیتا ہے نہ کہ اونٹ

یہاں "غیر" بدل ہے اور اس کا اصل ترجمہ "نہ کہ اونٹ" ہوگا۔ نیز اس مفہوم کو اختیار کرنے

سے معنی و مفہوم میں بھی کافی بلندی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی تفسیر سورۂ فاتحہ کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں:۔

وَلَعَلَّ فِيهِ أُسْلُوبًا خَاصًا لِلنَّفْيِ وَأَصْلُهُ "لَا تَهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِينَ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ" الخ

اور غالباً یہ نفی کا ایک خاص اسلوب ہے جس کی اصل یوں ہے کہ خداوندا ہمیں مغضوب علیہم کی راہ کی ہدایت نہ دیجئے!!

دیکھئے مولانا نے مختصر اً کتنی حقیقت افروز بات فرمائی ہے اور ساری مشکلات کو اپنی عربی زبان پر وسعتِ نظر کی بناء پر کس طرح حل کر دیا ہے۔

اس فقرہ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک طرف خدا کے ان محبوب بندوں کی یہ والہانہ التجا تھی کہ الٰہی!! اپنے انعام کئے ہوئے بندوں کی راہ پر چلنے کی ہدایت دیجئے تو دوسری طرف اس کا اندیشہ بھی ہے اس لئے بول اُٹھے کہ ان کی راہ سے بچائیو! جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں۔

سورۂ فاتحہ اور نماز یہ آخری بحث ہے جو فقہی موشگافیوں کی نذر بن کر رہ گئی ہے مگر ہم مجرد فقہی حیثیت سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کریں گے۔

سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اس کے متعلق ہمارے فقہاء کی دو رائیں ہیں

(۱) جمہور کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی گویا سورۂ فاتحہ کا نماز کے اندر پڑھنا فرض ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا نماز کے اندر پڑھنا واجب ہے (فرض نہیں) یعنی اگر کوئی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جائے گی ہر چند کہ ناقص رہے گی جس کی تلافی کے لئے سجدۂ سہو لازم ہے۔

یہ دو مختلف خیالات اور نظریات ہیں اور کمال یہ ہے کہ دونوں ہی کی گنجائش بہرحال نکل آتی ہے۔ لیکن جب ہم فقہی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر اس مسئلہ پر دقت نظر کے

ساتھ غور کرتے ہیں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی اور اس خیال کی تائید میں ہمارے پاس کثرت سے دلائل اور شواہد موجود ہیں لیکن چوں کہ وہ نہایت دقیق اور لطیف نکات ہیں، اس لئے ان کا ذکر مناسب نہیں معلوم ہوتا البتہ چند واضح دلائل پیش کئے جاتے ہیں جو شاید عام سطح کے دلائل سے برتر معلوم ہوں۔

(۱) سورہ فاتحہ کے جہاں متعدد نام مختلف وجوہ سے ہیں ان میں ایک نام سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی "قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی" سے بھی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ شارحین نے یہاں "الصلوٰۃ" سے سورہ فاتحہ ہی کو مراد لیا ہے اب ظاہر ہے کہ سورہ صلوٰۃ کے بغیر نماز کیسے ہوگی۔

(۲) متعدد روایتوں سے اسی مسلک کی تائید بھی ہوتی ہے مثلاً عبادۃ بن صامت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب — جس نے فاتحہ کتاب نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی

یہاں اگرچہ لوگوں نے نفی کمال وغیرہ کی بحث چھیڑ دی ہے مگر نفس روایت ان کی توجیہ سے سراسر انکار کر رہی ہے[۲]۔

حضرت ابوہریرہ کی مشہور حدیث ہے:۔

من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاث مرات — جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے (ایسا تین بار کہا ہے) اور نامکمل غیر تمام

یہاں "خداج" کا لفظ نہایت واضح ہے مگر اس کی بھی عجیب توجیہ کی گئی ہے حالانکہ نماز کا سارا فلسفہ، اور اس کی روح سورہ فاتحہ کے اندر پنہاں ہے اس لئے اس نماز کی کیا قدر و قیمت جس سے یہ روح ہی غائب ہو جائے ع

میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

---

[۱] یہ صرف فاضل مقالہ نگار کا خیال ہے۔ [۲] فاضل مضمون نگار کے ان خیالات سے ہر گز اتفاق ضروری نہیں۔

(۳) یہی وجہ ہے کہ امت کا ہمیشہ سے اس پر تعامل رہا ہے[1] آنحضرت صلعم، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام نے اس کے پڑھنے پر مداومت اور مواظبت فرمائی ہے اگر سورۂ فاتحہ کے بغیر الٹی سیدھی نماز ہو جاتی تو کبھی تو آپ نے امت کی آگاہی کے لئے اسے ترک فرمایا ہوتا اور اتنا زیادہ اہتمام نہ کیا ہوتا۔

اب ہم نہایت سرسری طور پر سورۂ فاتحہ اور نماز کی مناسبت کے کچھ پہلو بے نقاب کریں گے جن میں سے ہر پہلو اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتا ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے یہاں ان پہلوؤں کی وضاحت سے سورۂ فاتحہ کی نماز کے اندر اہمیت کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

(۱) جس طرح سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا آغاز اور اول ہے اسی طرح نماز بھی سارے دینی احکام میں اول اور اقدم ہے۔

(۲) سورۂ فاتحہ حمد و شکر کی سورۃ ہے ٹھیک ایسے ہی نماز بھی شکر و حمد کا نام ہے، نماز میں بندہ خدا کا شکر ہی ادا کرتا ہے۔

(۳) سورۂ فاتحہ جس طرح تمام تعلیماتِ قرآنی پر حاوی اور دینِ حق کے سارے حقایق پر مشتمل ہے ایسے ہی نماز بھی سارے دین کو اپنے اندر سموئے ہوتے ہے اور نماز ہی کے قیام و بقاء پر سارے دین کا قیام و بقاء منحصر ہے حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے

اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ اَلصَّلٰوةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ

میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم معاملہ نماز کا ہے جس نے اس کی حفاظت اور نگہداشت کی اس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ اس کے علاوہ باتوں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کر دے گا۔

خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] یہ دلیل بھی بے جان ہے، ارشاد نبوی واذا قرئ فانصتوا کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا چاہیئے،

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ اَقَامَھَا اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ ھَدَمَھَا ھَدَمَ الدِّیْنَ

نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قایم کیا سارے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ڈھایا اس نے سارے دین کو ڈھا دیا۔

(۴) نماز معاد کی صریح علامت ہے کیوں کہ اللہ کی پکار پر لوگ جس طرح یہاں دوڑ پڑتے ہیں اسی طرح قیامت میں بھی اللہ کی پکار پر حاضر ہوں گے اور سورۂ فاتحہ کے اندر بھی توحید کے ساتھ معاد، اور جزا کا لازمہ توحید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) نماز خدا کی وحدانیت کا صریح طور پر اقرار ہے ویسے ہی سورۂ فاتحہ بھی سرتاپا دعوت توحید ہے۔

(۶) نماز سرتاپا اخلاص، توکل اور تسلیم کا نام ہے اسی طرح سورۂ فاتحہ بھی سراپا اخلاص، توکل اور تسلیم ہے۔

(۷) جس طرح نماز اقرار عبودیت اور اظہار بندگی کا نام ہے اسی طرح سورۂ فاتحہ میں بھی اقرار عبودیت کا ایک واضح نقشہ موجود ہے۔

(۸) نماز استعانت ہے (وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ) اور سورۂ فاتحہ بھی استعانت ہے۔

(۹) نماز ہمارا اللہ سے عہد ہے (فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ) اور یہ عہد صراط مستقیم پر چلنے کا ہے (اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ) ٹھیک ویسے ہی سورۂ فاتحہ میں بھی اسی عہد اور صراط مستقیم پر بندہ گامزن ہونے کی خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور نماز اور سورۂ فاتحہ دونوں ہی بندے کو اس کے مقصود صراط مستقیم تک لے جاتے ہیں۔

(۱۰) جس طرح نماز ہماری حقیقی زندگی ہے اور بغیر اس کے ہماری حقیقی اور روحانی زندگی برقرار نہیں رہ سکتی ٹھیک اسی طرح سورۂ فاتحہ میں ہماری حقیقی زندگی اور خود نماز کے حقیقی زندگی ہونے کا بیان ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین